قیاس کا ارتقاء اور اس کے نظائر

تحریر: محمد اسلم' اسسٹنٹ پروفیسر' ساہیوال

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد:

زمین و آسمان کی تخلیق اور انواع و اقسام کی دیگر مخلوقات کی پیدائش کے بعد جب خالق کائنات نے زمین پر خلیفہ پیدا کرنا چاہا اور فرشتوں کے سامنے اس ارادے کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (۱)

(ترجمہ) کیا تو اس میں ایسے کو مقرر کرے گا جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق فرشتوں نے آپ (حضرت آدمؑ) کو جنوں کے حال پر قیاس کیا جو آدمؑ سے قبل زمین پر موجود تھے (۲)

یعنی جس طرح جن نامی مخلوق عناصر سے پیدا ہوئی اور اس نے زمین میں فساد کیا۔ اسی طرح یہ نئی مخلوق بھی فساد اور قتل و غارت کرے گی۔ کیونکہ اس کی تخلیق بھی عناصر سے ہو رہی ہے۔ اس تشریح کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں۔ ۱۔ یہ پہلا قیاس تھا اور حضرت آدمؑ کی تخلیق سے قبل ہی وجود میں آگیا تھا۔ ۲) اسی قیاس کے بانی ملائکہ ہیں۔ جو کہ معصوم ہیں۔ ۳) اللہ تعالیٰ نے اس قیاس کی تردید یا مذمت نہیں کی۔ جس سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

لغت میں قیاس کا معنی ہے التقدیر (۳) یعنی اندازہ کرنا۔ فقہی اعتبار سے اس کی تعریف ہے "هومساداة الفرع للاقبل فی علة حکمه" حکم کی علت میں فرع کو اصل کے برابر کرنا۔

چنانچہ مندرجہ بالا مثال میں جنوں کی مخلوق اعلی اور حضرت آدمؑ فرع ہیں۔ عناصر سے تخلیق تخلیق علت اور فساد کا نتیجہ نکلانا حکم ہے۔ تاہم یہ فقہی قیاس نہیں۔ کیونکہ اس میں شرعی حکم کا تعدیہ ہوتا ہے۔ جو یہاں مفقود ہے۔ ویسے بھی خلیفہ کی تخلیق کا تعلق خالصتاً مشیت ایزدی سے تھا۔ اس لئے وہ محض تکوینی معاملہ تھا نہ کہ تشریعی امر۔

حضرت آدمؑ کی تخلیق کیبعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ جبکہ شیطان نے پہلے تو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور پھر اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میری تخلیق آگ سے ہے اور اس کی تخلیق مٹی سے۔ اس انکار اور تکبر کی وجہ سے اسے مردود قرار دیا گیا۔ (۵)

قیاس کے مخالف بعض علماء مثلاً ابن سیرین وغیرہ نے اسے اولین قیاس سے تعبیر کیا(۷) حالانکہ یہ محض عقلی معارضہ تھااور اس محبت بازی کا قیاس کے ساتھ کئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ قیاس کی تعاریف لغوی لحاظ سے اس پر منطبق ہوتی ہے نہ فقہی اعتبار سے۔ اس میں اصل ہے نہ فرع۔ کوئی علت ہے اور نہی ہی مساوات۔ بلکہ ابلیس نے عدم مساوات کو بنیاد بنایا۔ پھر خود کو برتر قرار دیکر سجدہ کرنے سے انکار کردایا۔ اس بناء پر اسے نقض قیاس کہہ سکتے ہیں یا قیاس فاسد کا نام دے سکتے ہیں۔ مگر فقہی قیاس نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اس میں توحید کے سب سے زیادہ زور عقیدہ اخرت پر تھا۔ کیونکہ حیات بعد الممات کا عقیدہ انکی عقل و فکر سے باہر تھا۔ اس لئے وہ اس کے امکان و قوع پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے من یحی العظام وھی رمیم۔ ھڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ ؟ قرآن نے اس کا جواب دیا۔ قل یحییھا الذی انشائھااول مرۃ آپ کہہ دیجئے اس کو وہ زندہ کرے گا۔ جس نے اس کو د پہلی مرتبہ پیدا کیا۔

بقول قرطبی یہ قیاس کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے نشاہ اولی کے ساتھ منکرین قیامت کے خلاف دلیل پیش کی(۹) جساس کے بقول اس میں دجوب قیاس پر دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے نشاہ اولی پر قیاس کو لازمی قراردیا(۱۰)

قیاس کی اس قسم کو کلامی قیاس کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسمیں علم کلام کے مسند کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے قیاس کی ۴۰ سے زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ جن کا باقاعدہ احاطہ حافظ ابن قیم نے کیا ہے(۱۱)

ان کلامی مثالوں سے بھی قیاس کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ یہ انداز عام فہم، سادہ اور انسانی مزاج کے زیادہ قریب تھا۔ اس لئے اللہ تعالی نے عرب کے جاھل اور امی لوگوں کی تفہیم کے لئے اسی کو اختیار کیا۔

اہل مکہ گو امی اور ان پڑھ تھے مگر مختلف مواقع پر خود ان کے اپنے اعتراض کا انداز بھی قیاس ہوتا۔ قرآن مجید انہیں نقل کرتا اور اس کا جواب دیتا۔ مثلاً ان کا قول تھا"اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا"تجات سود کی طرح ہے۔ قرآن نے جواب دیا"اَحَلَ اللّٰہُ الْبَیعَ وَحَرآ مَرِّبٰوا"(۱۲)اللہ تعالی نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

ظاہری اعتبار سے کفار کا یہ استدلال بھی قیاس تھا۔ مگر قرآن نے بالواسطہ طور پر اس کی تردید

کی۔ کہ وہ حکم الٰہی یعنی نص قطعی کے مخالف ہے۔ اس لئے قابل قبول نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکہ جیسے امی لوگوں میں قیاس کی فطری صلاحیت موجود تھی۔ ضرورت یہ تھی کہ اس صلاحیت کا استعمال صحیح طریقہ سے کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دلیل کی تو تردید کی۔ مگر طرز استدلال یعنی عقل اور قیاس پر اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ عقل وفکر کا استعمال قرآنی منشا کے عین مطابق اور اس کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ جس کی تلقین مختلف مقامات پر کی گئی ہے۔ مثلاً :

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (سورۃ : حشر)

مکہ میں تیرہ سال تبلیغ کے بعد حضور اکرم ﷺ مدینہ تشریف لے آئے۔ اب احکام ومسائل بتلانے اور روزہ رکھنے کے حالات سلجھانے کی ضرورت تھی۔ اس دور میں مختلف مواقع پر آپ نے قیاس کیا مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ بنو فزارہ قبیلہ کا ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا میری بیوی نے سیاہ بچہ جنم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے پاس اونٹ ہیں۔ اس نے کہا ہاں آپ نے پوچھا ان کے رنگ کیسے ہیں۔ اس نے کہا سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا خاکستری رنگ کے بھی ہیں۔ اس نے کہا خاکستری رنگ کے بھی ہیں۔ آپ نے پوچھا اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ؟ اس نے کہا کسی رگ کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی کسی رگ کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہوگا۔ (۱۳)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قیاس کس قدر کثیر المقاصد اور وسیع الاستعمال اصول ہے۔ جو سماجی زندگی کے مختلف شعبوں اور دیگر علوم وفنون میں بھی کار آمد ہے۔

اس طرح جہینیہ قبیلہ کی ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی۔ مگر وہ حج نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ فوت ہو گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا حج کر لو۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا اور تم اس کی طرف سے ادا کرتیں تو کیا وہ ادا ہو جاتا۔ ؟ اللہ کے حقوق ادا کرو۔ کیونکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ (۱۴)

یہ مثال فقہی قیاس کی آئنہ دار ہے۔ کیونکہ اس میں فقہ کے ارکان وشرائط موجود ہیں مگر یہاں اشکال ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ بھی اجتہاد کرتے تھے اور انہیں قیاس کی ضرورت تھی۔ اس کا جواب ابو بکر جصاص کے الفاظ میں یہ ہے کہ :ان النبی کان یقضی برایہ واجتہادہ فیما لم ینزل بہ وفی (۱۵) جن احکام میں وحی نازل نہ ہوتی ان میں نبی ﷺ اپنی رائے سے فیصلہ کرتے۔ اجتہاد ایک وسیع مفہوم ہے اور قیاس اس کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ اجتہاد کے جواز سے قیاس کا جواز خود بخود ثابت ہوتا ہے۔ ادلہ شرعیہ میں یہ قیاس حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں تیسرے نمبر پر تھا۔ کیونکہ آپ کی

موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہ تھی۔ مگر آپ وفات کے بعد اجماع تیسرے نمبر پر اور قیاس چوتھے نمبر پر چلا گیا۔ تاہم جب تک حضور ﷺ زندہ تھے قیاس نمایاں نہ ہو سکا اور نہ ہی اس کی چنداں ضرورت تھی۔ کیونکہ آپ مہبط وحی اور شریعت کا منبع تھے۔ ضرورت مند شخص پیش آمدہ مسئلہ میں آپ کی طرف رجوع کرتا اور مسئلہ دریافت کر لیتا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد مختلف صحابہ کرام آپ علوم کے وارث ٹھہرے اور مختلف شہروں میں مسند نشین ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ پہلے خلیفہ راشد اور نائب رسول تھے۔ علمی لحاظ سے بھی آپ عظیم المرتبت تھے۔ آپ کی روایات گو قلیل ہیں مگر اس کی وجہ آپ کی بے بضاعتی اور کم مائیگی نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد آپ کم عرصہ زندہ رہے اور وہ بھی سیاسی ہنگاموں کی نذر ہو گئی۔ علمی معرکہ آرائیوں کے مواقع میسر نہ آسکے۔ پھر بھی متعدد مواقع پر آپ نے فہی گتھیاں سلجھائیں۔ آپ کے فقہی قیاس کی مثال یہ ہے :ان آباکبیر کان یجعل الجدابا(۱۵)حضرت ابو بکرؓ دادے کو باپ کی جگہ رکھتے۔

قیاس کی مثال اپنے مفہوم میں نہایت وضح ہے۔ کیونکہ خلوص شفقت اور ذمہ داری میں جو باپ کا قائم مقام ہے۔ وارثت میں بھی وہی اس کا جانشین ہو گا۔ یعنی باپ کی عدم موجودگی میں اس کی وراثت کا حصہ دادے کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اڑھائی سالہ خلافت کے بعد حضرت عمر فاروقؓ تخت نشین ہوئے۔ اس وقت چار اصحاب کو تفسیر 'حدیث اور اجتہاد میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عمر فاروقؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ۔ مناسب ہو گا کہ ان حضرات کے حوالے سے قیاس کی مثالیں دی جائیں۔

حضرت عمر فاروقؓ آپ نے سیاسی اور انتظامی امور میں جہاں نئے محکمے اور شعبے قائم کئے وہاں اجتہاد اور قیاس کے لئے باقاعدہ بنیادی ڈھانچہ فراہم کیا۔ اس سلسلے میں ابو موسیٰ اشعری کے نام آپ کا خط خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔

الفهم الفهمفیما ادبی الیک مما ورد علیک ممالیس فی القرآن والسنة ثم قالیس الامور عندی ذالک واعرف الامثال ثم اعمد فیما تری الی اجها الی اللہ وابنها بالحق۔

ایسے مسائل جو آپ کے سپرد کئے جائیں اور قرآن و حدیث میں موجود نہ ہوں تو ان میں غور

وفکر کرو۔ پھر نئے امور کے لئے قیاس کرو۔ امثال کی پہنچان کرو۔ بعد ازیں تمہاری رائے میں جو بات اللہ کے ہاں زیادہ محبوب اور حق کے زیادہ مشابہ ہو۔ اس پر اعتماد کرو(۱۷)

اس خط میں آپ نے قیاس کے خدوخال ہی متعین نہیں کئے۔ بلکہ ابن قیم کے بقول آپ کا یہ خط قیاس کرنے والوں کے لئے باقاعدہ دلیل بن گیا۔ کیونکہ صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر انکار نہیں کیا۔ وہ سب قیاس کے قائل تھا اب یہ قیاس شریعت کا ایسا اصول ہے کہ کوئی فقیہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔(۱۸)

حضرت عمر فاورق کا جانب الرائے ہونا ایک مسلمہ امر تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ متعدد مواقع پر وحی کا نزول آپ کی منشاء کے مطابق ہوا آپ کے دور حکومت میں متعدد نئے مسائل پیش آئے۔ جنہیں آپ نے اپنی رائے سے قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کیا۔ آپ کے قیاس کی مثال یہ ہے کہ "سمرہ نے یہودی تاجروں سے عشور کے ٹیکس میں شراب حاصل کی۔ اسے سرکہ بنایا اور فروخت کردای۔ اس پر حضرت عمر فاورق نے کہا۔ اللہ سمرہ کو ہلاک کرے۔ کیا اسے مغلوم نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے کہا تھا۔ اللہ یہود پر لعنت کرے۔ ان پر چربی حرام قرار دی گئی تھی۔ مہر انہوں نے اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ حضرت عمرؓ نے شراب کو چربی پر اور اس کی حرمت کو قیمت کی حرمت پر قیاس کیا(۱۹)

یہ مثال مکمل فقہی قیاس ہے۔ یعنی چربی بیچ کر اس کی قیمت کھانے کا یہودی طرز عمل اصل ہے۔ سمرہ کا شراب سے سرکہ بنانا اور بیچنا فرع ہے۔ حیلہ جوئی علت ہے۔ جبکہ لعنت اس پر حکم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حیلہ بازی کے ذریعہ حرام کو حلال کرنا درست نہیں۔

حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ راشد 'علم وفضل کے حامل 'حضور اکرم ﷺ کے دور میں یمن کے گورنر اور عمر فاورقؓ کے دور میں قضاء کے منصب پر فائز رہے۔ آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اہل سنت اور شیعہ دونوں کے ہاں قابل احرام ہیں۔ آپ فیصلے اہل سنت کے نزدیک اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں اور اہل تشیع کے نزدیک الہام کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک آپ امام معصوم ہیں۔ آپ کے قیاس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عمر فاورق کے دور میں شراب نوشی کے واقعات بڑھنے لگے۔ اس جرم کی سزا سخت کرنے کے لئے آپ نے حضرت علی سے مشورہ کیا۔ تو آپ نے قذف کی طرح شراب نوشی کی حد ۸۰ کوڑے مقرر کرنے کی تجویز دی۔ کیونہ شراب پینے والا شخص بھی تہمت لگانے والے کی طرح واھیات بکنے لگتا ہے(۲۰الف)

یاد رہے کہ حد کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ شک و شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن اس جگہ شراب نوشی پر حد کا قانون قیاس کے ذریعہ وجود میں آتا ہے۔ اس سے قیاس کی حیثیت واہمیت مزید اجاگر ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ گو عمر کے اعتبار سے صحابہ میں کم سن تھے مگر تمام صحابہ کرام آپ کی تبحر علمی کے معترف تھیا لغت اور تفسیر میں آپکا خصوصی مقام تھا۔ آپ کے قیاس کی مثال وہ واقعہ ہے جب آپ نے دانتوں کی دیت سے متعلق ایک فیصلہ پر گرفت کی۔ کیونکہ قاضی نے منفعت کا لحاظ کرتے ہوئے مختلف دانتوں کی دیت متفرق کر دی تھی۔ اس پر آپ فرمایا "کیف یغبروا بالاصابع" (۲۰ ب) انہوں نے انگلیوں پر کیوں نہ قیاس کیا۔

مطلب یہ کہ ہاتھ کی تمام انگلیاں منفعت کے لحاظ سے یکساں نہیں۔ مثلاً انگوٹھا منفعت میں سب سے زیادہ اور چھینگلی سب سے کم ہے۔ مگر اس کے باجود حضور ﷺ نے تمام انگلیوں کی دیت یکساں رکھی۔ اسی طرح دانتوں کو بھی انگلیوں پر قیاس کر کے یکساں دیت کا فیصلہ کرنا چاہیت تھا اور ان میں تفریق کرنا درست نہیں اس طرح آپ نے اپنے قیاس واجتہاد سے قاضی کے فیصلے پر گرفت کی۔ یعنی وضاحتاً حکم دیا کہ دانتوں کی دیت کو انگلیوں کی دیت پر قیاس کرنا چاہیے۔

حضرت ابو موسی اشعریؓ ایک نامور صحابی اور کوفہ کے گورنر تھے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ حضرت عمر فاورقؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے زمانوں میں منصب قضا پر فائز رہے۔ آپ کا شمار اصحاب علی میں ہوتا ہے۔ جنگ صفین کے بعد آپ نے حضرت علی کی طرف سے ثالثی کے فرائض سرانجام دیے۔ طویل مدت تک افتاء و قضا کے منصب سے وابستگی آپ یک علمی قابلیت اور دیانت کا ثبوت ہے۔ آپ کے قیاس کی مثال درج ہے۔

آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ اس میں مرغی کا گوشت تھا۔ وہاں بنو نمیم کا ایک شخص بھی موجود تھا۔ اسے کھانے کی دعوت دی گئی۔ اس نے کہا۔ میں نے اس مرغی کو گندگی کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے اس سے گھن آتی ہے اور میں نے گوشت نہ کھانی کی قسم اٹھائی ہے۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ نے کہا میرے قریب آؤ۔ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں۔

ایک مرتبہ چند اشعریوں کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہاں آپ سے سواری طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم نہ تو میرے پاس سواری ہے اور نہی ہیں میں سواری دوں گا۔ اسی اثناء میں مال غنیمت کے کچھ اونٹ آ گئے۔ تو ہم کو پانچ موٹے تارے اونٹ دیئے۔ ہم اونٹ لے کر

چل پڑے۔ پھر خیال آیا کہ حضور ﷺ نے اونٹ نہ دینے کی قسم کھائی تھی۔ شاید بھول گئے ہیں۔ ہم فلاح نہیں پائیں گے۔ واپس آکر عرض کیا آپ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں سواری نہیں دی بلکہ اللہ تعالی نے دی ہے۔ میں جب قسم کھاتا ہوں۔ پھر اس کے غیر میں بھلائی دیکھتا ہوں تو قسم کا کفارہ دے کر دوسرا کام کر لیتا ہوں (۲۱)

اس مثال کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت ابو موسی اشعری نے اپنے قیاس کی بنیاد حضور ﷺ کے ایک عمل پر رکھی۔ پہلی فعلی حدیث کہ قیاس کا مدار بنایا گیا ہے۔ نیز قیاس کی صحت پر آپ کو اس قدر یقین تھا کہ بنو تمیمی کے اس شخص کو قسم توڑنے کی ترغیب دی۔

قیاس کی یہ مذکورہ بالا مثالیں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں اور قیاس و اجتہاد کرنے والے وہ لوگ ہیں جو خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں کی وجہ سے پوری امت مسلمہ کے لئے علمی ستون ہیں۔ ان کی یہ آراء و نظریات اور اجتہاد و استنباط فقہ کا بنیادی سرمایہ ہیں۔ آگے چل کر یعنی دوسری صدی ہجری میں جب یہی سرمایہ کوفہ کے فقہی دبستان کو میسر ہوا تو انہوں نے اس کو فروغ دیا۔ پھر اس کی نوک پلک سنوار کر اسے فقہ کا باقاعدہ چوتھا ماخذ بنا دیا جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

کوفہ کا شہر حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے ۱۷ھ میں حضرت سعد بن وقاص نے دریائے فرات کے مغربی کنارے آباد کیا۔ یہ شہر ایک فوجی چھاؤنی تھا۔ اس لئے اس شہر نے مختصر سی مدت میں اس تیزی سے ترقی کی۔ بڑی تعداد میں صحابہ کرام یہاں آباد ہوئے۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق تقریباً ۱۵۲ صحابہ اس شہر میں سکونت پذیر ہوئے ۲۲) ان میں سے حضرت علیؓ، ابن سعد اور ابو موسی اشعری کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ صحابہ کرام کے ورود مسعود کے باعث یہ شہر علمی مرکزیت اختیار کر گیا۔ یہاں اسلامی علوم و فنون کے مختلف مراکز وجود میں آئے۔ جن میں سے ایک کے صدر نشین ابو حنیفہؒ جن کی فقہی زندگی ۱۲۰ سے ۱۵۰ تک کے عرصہ پر مشتمل ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اور قیاس کوئی دوسری صدی کا علم نہیں۔ البتہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ناموں کا تعلق بلاشبہ دوسری صدی سے ہے۔ یعنی جس طرح عربی گرائمر صرف نحو، فاعل، مفعول، فعل ماضی اور مضارع پہلے سے موجود تھے۔ مگر ان کے یہ باقاعدہ نام کوفہ، بصرہ کی علمی ٹکسالوں میں وضع ہوئے۔ اسی طرح فقہ کی اصطلاحات گو بعد میں وجود میں آئیں۔ مگر ان کی اساس و بنیاد، قرآن، حدیث اور صحابہ کی مرویات ہیں۔ جو دوسری صدی میں ان ائمہ تک پہنچیں۔ جیسا کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے امام ابو حنیفہ سے سوال کیا کہ آپ نے یہ علم کن لوگوں سے حاصل کیا۔ آپ نے

جواب دیا حماد اور ابراہیم نخعی کی معرفت 'عمر بن خطاب' علی' ابن مسعود' اور ابن عباس سے۔ اس جواب پر خلیفہ منصور نے آپ کی پختہ کاری کو سراہا (۲۳)

حنفی فقہ ایک شخص کی بجائے ادارے کا نام تھا۔ جس کے ارکان کی تعداد ۴۰ تک پہنچتی ہے۔۔ احناف نے فقہ کو فن اور تکنیک کی حیثیت دی۔ اصول فقہ وضع کئے۔ اجتہاد و قیاس کے ارکان' شرائط' حدود و قیود اور اقسام بنائیں۔ قیاس صحیح اور قیاس فاسد کا فرق واضح کیا۔ اس طرح وہ قیاس جس کی بنیاد حضور اکرم ﷺ نے رکھی۔ جس کا ڈھانچہ عمر فاروقؓ نے مہیا کیا۔ حنفی دبستان نے تزئین و توسیع کر کے اسے بام مروج پر پہنچادیا۔ یہاں تک کہ یہ اس کی شناخت اور طرہ امتیاز بن گیا۔ اگر حنفی علماء کو اہل قیاس اور اصحاب رائے کہا جانے لگا۔ اس کے برعکس جن لوگں پر حدیث کا غلبہ تھا' انہیں اصحاب حدیث کا نام دیا گیا۔ اس رح فقہا دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔

مناسب ہو گا کہ حنفی فقہ کے بانی امام اعظم کے حوالے سے قیاس کی مثال دی جائے۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کیا ایسے پیالے سے پانی لینا جائز ہے جس کے کنارے پر چاندی لگی ہوئی ہو؟ آپ نے کہا جائز ہے۔ پھر اس کی وجہ بتلائی کہ جس طرح ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہوئی ہو تو اوک سے پانی پینا جائز ہے اسی طرح کنارے پر چاندی لگی ہوئی پیالے میں پانی پینا درست ہے۔ (۲۴)۔

یہ مثال ابو حنیفہ کی قوت استنباط اور دقت نظری کے مظہر ہے۔ پیش آمدہ مسئلہ کو حلکرنے کے لئے کوئی عبارہ النص میسر نہ تھی کیونکہ نصوص محدود ہیں۔ کوئی اور مثال بھی دستیاب نہ تھی۔ البتہ چاندی کی انگوٹھی پہن کر اوک سے پانی پینے کا جواز اشارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے پہلے یہ مسئلہ اخذ کیا۔ پھر اس اشارۃ النص کو لیناد بنایا' اور اس پر اپنے قیاس کی عمارت کھڑی کردی۔ وجہ مشابہت یہ تھی کہ دونوں مقامات پر چاندی کے تار کا دائرہ موجود تھا۔ اس طرح قیاس کو وسعت کی نئی جہت ملی۔ اور اس کا دامن کشادہ ہو گیا۔ کہ اگر عبارہ النص میسر نہ ہو تو اشارۃ النص کو بھی پیش آمدہ مسائل میں بنیاد بنایا جاسکتا ہے اور نئے مقیس علیہ اور مقیس کا سلسلہ شروع کیا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی ابو حنیفہ نے اپنے مجموعی طرز عمل سے انفرادیت کی بجائے اجتماعیت اور شخصیت کی بجائے ادارے کی نمود کی تھی۔ جس سے اختلاف رائے کو برداشت کرنے کا بھی حوصلہ پیدا ہوا۔ نیز مستقبل کے مسائل کو فرضی طور پر زمانہ حال میں لایا گیا اور قیاس کے ذریعہ انکا حل ڈھونڈا گیا۔ اس طرح حنفی حال کی بجائے مستقل کی فقہ بن گئی۔

دوسرا رخ

جس وقت قیاس اپنے ارتقا کے مدارج طے کر رہا ہے' اس وقت بعض علماء اس کی مخالفت بھی کر رہے تھے۔ مثلاً جعفری فقہ کے بانی امام جعفر سے منقول ہے۔

اول من قاس ابلیس الفقه الله (۲۵) جس نے سب سے پہلے قیاس کیا وہ ابلیس ملعون ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیاس شیطانی عمل ہے۔ جواب یہ ہے کہ مندرہ بالا روایت متعدد وجوہ سے توجہ طلب ہے۔ اس شیطانی عمل یعنی عقلی معارضے کا فقہی قیاس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ لہذا اسے قیاس قرار دینا اور پھر امام جعفر کی طرف منسوب کرنا سرے سے مشکوک ہے۔ کیونکہ آپ جیسا فاضل شخص اس قسم کی بے بنیاد بات نہیں کر سکتا۔ قرین عقل یہ ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے مطلق قیاس کی بجائے فاسد قیاس کی تردید کی ہو۔ کیونکہ آپ کا قول ہے

لوقاس ابلیس نوریته النار' عرف فضل ما بین النورین وصفاء احدهما علی الاخر(۲۶)
اگر ابلیس آدم علیہ السلام کی نورانیت کا آگ کی نورانیت کے ساتھ موازنہ کرتا تو دونوں میں سے ایک کی دسورے پر فضلیت اور خالص پن کی معفرت کر لیتا۔

معلوم ہوا کہ درحقیقت آپ کو قیاس کی صحت مطلوب ہے اور فاسد قیاس پر اعتراض ہے مطلق قیاس کی مخالفت مقصود نہیں۔ جہاں تک فاسد قیاس کا معاملہ ہے تو وہ بلا شبہ مذموم ہے۔ خود امام ابو حنیفہؒ سے اس کی مذمت منقول ہے۔ مثلاً

البول فی المسجد احسن من بعض قیاسهم(۲۷)
مسجد میں پیشاب کرنا بعض قیاسوں سے بہتر ہے۔

ورجہ سوم: خود شیعہ ائمہ سے متعدد ایسی اخبار منقول ہیں جو قیاس پر مبنی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی مثال شیعہ کے چھٹے امام جعفر صادقؒ سے منسوب ایک واقعہ ہے۔

عباسی خیلیفہ منصور کے دربار میں اس کے وزیر ربیع نے ایک مقدمہ پیش کیا۔ کا آج رات کسی شخص نے مردہ انسان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ منصور نے اس وقت کے متعدد علماء و فقہاء سے اس کے متعلق فتوی دریافت کیا۔ مگر وہ اس کا جواب دینے سے قاصر رہے۔ بالاخر منصور نے ربیع کو امام جعفر صادق کی طرف بھیجا۔ آپ نے جواب دیا: علیه ماة دینار(۲۷)
اس واقعہ کے مجرم پر سو دینار بطور تاوان لازم ہیں۔ بعد ازاں آپ نے اس فتوے کی تشریح کی۔ کہ یہ مردہ انسان ماں کے پیٹ سے جنین کی طرح ہے جس میں ابھی روح نہ پڑی

ہو۔(۲۸)

امام جعفر صادق کا یہ جواب بظاہر قیاس پر مبنی ہے۔ جس میں جنینَ کو اصل 'مردہ انسان کو فرع 'بے جان ہونا مشترکہ علت اور سو دینار کی دیت ادا کرنا حکم ہے۔

دوسری دلیل شیعہ کے آٹھویں امام ابوالحسن رضا متوفی ۲۰۲ھ سے منسوب ایک واقعہ کا حکم ہے

ایک شخص پر کچھ لوگوں نے حملہ کر دیا۔ اس شخص نے دیگر لوگوں سے مدد طلب کی۔ ایک شخص اس کی مدد کے لئے بھاگا۔ راستے میں ایک کنواں تھا۔ جس کی منڈیر پر کوئی اور شخص کھڑا تھا۔ جو ٹکر لگنے سے کنویں میں گرا اور مر گیا۔ اب اس متوفی شخص کی دیت کس پر لازم ہو گی۔

امام ابوالحسن رضاؒ نے اس کی دیت مدد طلب کرنے والے شخص پر ڈال دی ہے پھر فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ایک مرتبہ ہوا کو حکم ہوا کہ فلاں مقام پر ایک کشتی ڈوب رہی ہے۔ اس کی مدد کو پہنچ۔ راستے میں ایک عورت اپنے مکان کی چھت پر کھڑی تھی۔ ہوا کی تیز رفتاری اور اس کے دھکے سے وہ عورت گری اور اس کی ھڈی ٹوٹ گئی۔ حضرت سلیمانؑ کی عدالت میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے اللہ میری رہنمائی کر کہ میں اس مسئلہ کے بارے میں کیا فیصلہ دوں؟ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اس کی دیت کشتی والوں پر ڈال دو۔ کیونکہ یہ حادثہ انہی کی وجہ سے پیش آیا ہے۔(۲۹)

اس فیصلہ میں امام ابوالحسن رضا نے اپنے فیصلہ کی بنیاد حضرت سلیمانؑ کے فیصلے پر رکھی۔ وجہ مشابہت اور قیاس بالکل واضح ہے۔ یعنی مدد طلب کرنے والے پر دیت لازم کرنا۔

تیسری مثال: شیعہ کے دسویں امام علی ھادیؒ متوفی ۲۵۹ھ کا فیصلہ ہے۔

عباسی خلیفہ متوکل نے ایک مرتبہ نذر مانی کہ وہ مال کثیر کا صدقہ کریگا۔ مال کثیر کا لفظ مبہم تھا۔ علماء سے اس کی وضاحت چاہی گئی۔ توانہوں نے اس کی تشریح میں وسیع اختلاف کیا۔ یعنی اس رقم کی تعیین دس ہزار سے ایک لاکھ تک کی۔ امام ھادی نے اس کی تشرح اسی دراہم سے کی۔ پھر اس کی وضاحت کی کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَةً۔ ان مواطن کی تعداد شمار کرنے س اسی نکلتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسی عدد کثیرہ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔(۳۰)

اس مثال میں امام ھادی نے مواطن کثیرہ کو مقیس ععلیہ اور دراہم کثیرہ کو مقیس بنایا۔ اسی کا عدد مشترکہ علت ہے۔ جس کی بناء پر آپ نے کثرت کا حکم لگایا۔

شیعہ کے تینوں ائمہ کی ان روایات کے علاوہ قیاس کے جواز کا مزید ثبوت شیعہ درس نظامی کی کیت سے بھی ملتا ہے۔ مثلا:

غیر انه اذا علمنا بطریق من الطرق الی جهته المشابة علة تامة لثبوت الحکم فی الاکل عند الشارع ثم علمنا ایفا بان هذه العلته التامته موجودة بخصوصیاتها فی الفرع۔فانه لامخالة یحصل لنا علی نحو الیقین استباط ان مثل هذا الحکم ثابت فی الفرع کثیرته فی الوصل(۳۱)

(ترجمہ) مگر جب ہمیں شارع کے ہاں اصل میں حکم ثابت کرنے کے لئے مشابہت کے طریقہ سے علت نامہ حاصل ہو جائے۔ پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ علت نامہ اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ فرام میں موجود ہے۔ لازمی اور یقینی طور پر یہ استنباط حاصل ہو جائے گا کہ یہ حکم فرع میں بھی اسی طرح ثابت ہے۔ جس طرح کہ اصل میں ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ ثابت شدہ حکم کی علت اگر یقینی ہو تو قیاس کرنا درست ہے۔ اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام صادق کی طرف منسوب مندرجہ بالا قول جس میں قیاس کی مذمت کی گئی ہے یا تو سرے سے غلط ہے یا پھر غلط اور فاسد قیاس سے بچانا چاہتے ہیں۔ مندرجہ بالا تینوں شیعہ ائمہ کا تعلق دوسری اور تیسری صدی سے ہے اور یہی زمانہ قیاس کے عروج کا زمانہ ہے۔ نتیجۃً ہم کہہ سکتے ہیں کہ ائمہ کا یہ اختلاف محض احتیاط پسندی پر مبنی ہے یا قلت و کثرت پر ہے۔ اس قسم کا اختلاف ہونا ایک قدرتی ہے اور اس سے نفس قیاس پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ اس کی مزید تائید ابن خلدون کے بیان سے ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے بعد بہت سے پیش آمدہ واقعات و مسائل نصوص میں موجود نہیں۔ اس لئے صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین نے قیاس کیا اور نص کے ساتھ الحاط کی شرائط ملحوظ رکھ کر ان کا بھی الحاق کر دیا۔ یہاں تک کہ ظن غالب ہو گیا کہ حکم خداوندی دونوں جگہ ایک ہے۔ اس طرح قیاس بالاجماع چوتھے درجہ کی دلیل بن گیا۔ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ یہ (قیاس) اصول دلائل میں سے ہے۔ (۳۲)

اس عبارت سے قیاس کی تعریف 'اس کی ضرورت 'ای کا درجہ اور اس کی مسلمہ حیثیت جیسے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ تیسری صدی کے بعد علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔ جس کا مقصد گمرہ فرقوں

کے باطل عقائد اور فاسد روایات کا سدباب کرنا تھا۔ جو کہ منطق و فلسفہ جیسے عقلی علوم کی بنا پر جنم لے رہے تھے۔ پھر عوام اور حکومتی سطح پر فتنہ و فساد برپا کر رہے تھے۔ ویسے بھی مسلمانوں کا علمی و فکری زوال شروع ہو چکا تھا۔ تاہم زوال کے اس دور میں بھی قیاس و اجتہاد پر مبنی متعدد جزئیات و فروعات وجود میں آئیں۔ فقہ کی بڑی بڑی کتب مدون ہوئیں مثلاً پانچویں صدی میں ابوبکر سرخسی نے ۳۰ جلدوں پر مشتمل المبسوط نامی کتاب لکھی۔ چھٹی صدی میں ابوبکر علاؤالدین نے "بدائع الصنائع" جیسی اہم کتاب 'برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی نے ہدایہ جیسی مشہور و مقبول کتاب اور قاضی خان نے فتاوی قاضی خان کے نام سے قابل قدر کتاب مدون کی۔ ساتویں صدی میں ابن تیمیہ جیسے مجتہد پیدا ہوئے جو قلم اور تلوار دونوں کی دھنی تھے۔

ساتویں صدی میں تاتاری حملے سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ کیونکہ اس بلائے ناگہانی نے آناً فاناً مسلمانوں کے علمی مراکز' مدارس' کتب خانوں اور علمی اثاثوں کو تباہ کر دیا۔ مگر اس کے تھوڑے عرصے بعد مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں ترکی کے نام سے مسلمانوں کی دو عظیم سلطنتیں قائم ہوئیں۔ چنانچہ سترہویں صدی میں شیخ نظام نے اورنگ زیب کی خواہش پر فتاوی العندیہ المعروف فتاوی عالم گیری کے نام سے ایک جامع اور مبسوط کتاب مرتب کی۔ جس میں ۶۹ کتب سے استفادہ کیا گیا۔ ان کے حوالے کتاب میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ اسی طرح انیسویں صدی میں ترکیہ کے حکمران احمد جودت پاشا کی صدارت میں علماء قانون کی ایک کمیٹی قائم ہوئی۔ جس نے مفتی بہ اقوال پر مشتمل ایک کتاب مدن کی جس کا مجلۃ الاحکام العدیہ تھا۔

بیسوی صدی کے نصف میں ایک طرف مسلمانوں کا زوال مکمل ہو چکا تھا۔ تو دوسری طرف سائنسی ترقی کی بدولت لئے مسائل جنم لے رہے تھے۔ اس دور میں بھی قیاس کے حولے سے جدید تحقیق کا سلسلہ جاری ہوا۔ مثلاً :

"صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب دجال آئے گا تو وہ دنیا میں چالیس دن رہے گا۔ جس کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہو گا۔ دوسروں ایک ماہ کے برابر۔ تیسرا دن ایک ہفتے کے برابر۔ اور ۳۰ دن تمہارے موجودہ دنوں جیسے۔ کسی صحابی نے عرہ کیا' یارسول اللہ ﷺ اس سال بھر کے لمبے دن ہیں کیا صرف ایک دن کی نمازیں پڑھنی کافی ہوں گی؟ فرمایا نہیں بلکہ حساب کرو۔

ایک سال کے برابر لمبا دن ۹۰ درجے عرض بلد پر ہوتا ہے۔ ایک مہینے کے برابر لمبا دن سال کے ایک معین مہینے میں تقریباً ۶۷ درجہ پر اور ایک ہفتے کے برابر لمبا ۶۵ درجہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلم

فقہاء نے اس پر قیاس کر کے یہ استنباط کیا ہے کہ فن لینڈ' روس اور کنیڈا میں نماز کے اوقات روزے کے اوقات کے لئے اس حدیث دجال پر قیاس کرنا چاہیے۔ البتہ ایک صورت غیر واضح رہی۔ وہ یہ کہ ۶۶ تا ۹۰ درجے کے طول بلد پر رہنے والے کس طرح نمازیں پڑھیں؟ مجلس علماء دکن نے ۱۹۳۶ء کے لگ بھگ اتفاق رائے سے تجویز کیا کہ ۴۵ درجہ عرض بلد کے اوقات طلوع و غروب ہی قطب تک کے تمام علاقوں میں سال بھر تک زیر عمل رہیں۔ اس وقت بھی جب آفتاب مسلسل کئی دن تک نہ ڈوبے۔ اور اس وقت بھی جب مثلاً ساڑھے تئیس گھنٹے کا دن اور آدھ گھنٹے کی رات ہو۔

اس نقطہ زمین یعنی ۴۵ درجہ کے انتخاب میں اس واقعے کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ عہد صحابہ میں سلمان اس مقام (آرمینا) تک پہنچ گئے تھے اور حرکت شمسی ہی کو نماز روزے میں ملحوظ رکھتے تھے۔ آج بھی خط استوا سے ۴۵ درجہ تک کے تمام علاقوں میں مسلمان ہیں۔ انہی اپنی پرانی عادتوں کو بدلنے کی ضرورت نہیں۔ یہ رعایت پنجابی یورپ اور شمالی امریکہ نیز جنوبی چلی اور جنوبی ارجنٹائن کے ایسے علاقوں میں ملے گی۔ جہاں اسلام ہنوز نووارد ہے۔ مزید براں ۴۵ درجہ شمالی اور ۴۵ درجہ جنوبی کے معنی اگرچہ نظریہ کی حد تک نصف کرہ ارض کے ہوتےہیں۔ لکین دراصل اس میں تین چوتھائی سے زیادہ معمور حصہ زمین شامل ہے۔ (۴۳)

مندرہ بالا مثال سے معلوم ہوا کہ علما نے جدید اور بدلتے ماحول میں نماز کے اوقات جیسے اہم مسئلہ کو قیاس کے ذریعہ حل کیا' اور براہ راست حدیث سے رہنمائی حاصل کی۔ نیز یہ فرد واحد کا نہیں بلکہ اجتماعی قیاس تھا۔ کیونکہ اس مقصد کے لئے علماء کی مجلس تشکیل کی گئی تھی' جس نے علم جغرافیہ اور قطبین کے علاقوں میں سورج کی حرکات کا بھرپور مطالعہ کیا اور مسئلہ کے تمام گوشوں کو واضح کیا۔ اس مثال کا تعلق متحدہ پاک و ہند کے بعد دونوں علاقوں کے علماء نے اس تحقیقی عمل کو مزید آگے بڑھایا اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

جدید سائنسی ترقی کی بدولت معاشیات ایک پیچیدہ فن یا مضمون بن گیا ہے۔ چونکہ اس کا تعلق مذہب کے ساتھ بھی ہے لہذا اس سے متعلقہ دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ پہلی مثال کا تعلق بھارت سے ہے۔ جہاں کے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں :

> طویل مدتی قرضہ جات میں ادائیگی کے وقت روپوں کے قدر میں جو کمی واقع ہو جاتی ہے وہ ایک عیب ہے۔ اور اس عیب کی تلافی کے لئے قرض خواہ پر ضروری ہو گا کہ وہ سونے کی قیمت سے موانہ کر کے اس کی کمی کی تکمیل کر دے۔ (۴۴)

اس سند کی مزید وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے کو ایک ہزار روپیہ قرض دیتا ہے۔ دس سال بعد جب وصول کرتا ہے تو اس کی قیمت پانچ سو رہ جاتی ہے۔ یعنی دس سال قبل پانچ سو روپے سے جتنا سونا خرید سکتا تھا اب وہ ہزار روپے سے خریدیگا۔ روپے کی قیمت میں اس کمی سے قرض کی

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے چونکہ کوئی نص یا اشارۃ النص موجود نہ تھی۔ اس لئے آپ نے اس کو ایک فقہی جزئیہ پر قیاس کیا۔ "پانی مثلی شئیی ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے ایسے صحرا میں پانی غصب کیا' جہاں پانی دستیاب نہیں تو اب اس شخص کا دوسری جگہ مثلاً نہر کے کنارے صرف پانی واپس کرنا کافی نہیں بلکہ اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ (۳۵) معلوم ہوا کہ نقصان کی تلافی کرنا اور اصل قیمت کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ انصاف کا تقاضا پورا ہو سکے۔

دوسری مثال پاکستان کے حوالے سے ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مفتی محمد شفیعؒ نے کراچی میں اقامت کی اور جدید فقہی مسائل حل کرنے میں خصوصی دلچسپی لی۔ مشکل مسائل حل کرنے کیئے علماء کی مجلس منعقد کی۔ فقہی کانفرنس ہوں کے مقالات کو جدید فقہی تحقیقات کے عنوان سے مکتبہ جامعہ بنوریہ کراچی نے شائع کیا۔ ان جدید فقہی مسائل میں قیاس کا استعمال جابجا نظر آتا ہے۔ مثلاً موجودہ دور میں بلاسود بنکاری بھی ایک مشکل مسئلہ ہے۔ کیونکہ بینک اگر سود نہ لے تو اپنے اخراجات کہاں سے پورے کرے۔ اس سلسلے میں سہروس چارج یعنی دفتری اخراجات کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحبزادے مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

> بینک کے لئے قرض لینے والوں سے قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے اجرت وصول کرنے کی گنجائش ہے۔ جو قرض جاری کرنے پر آنے والے دفتری اخراجات کو پورا کر سکے۔ اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے جو فقہا نے بیان کیا ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے فتوی دینے اور فیصلہ کرنے پر مدعی اور مستفتی سے اجرت طلب کرنا جائز نہیں۔ لیکن مفتی کے لئے فتوی تحریر میں لانے اور قاضی کے لئے دستاویزات لکھنے اور رجسٹر میں اندراجات کرنے کی گنجائش ہے"(۳۶)

اس معلوم ہوا کہ قیاس کا ارتقائی سفر جاری ہے۔ پہلے درجہ میں عبارۃ النص کہ مقیس علیہ بنایا جاتا تھا۔ دوسرے نمبر پر اشارۃ النص کو اختیار کیا جانے لگا اور اب تیسرے مرحلے میں فقہاء کی استنباط کردہ جزئیات کو مقیس علیہ بنا کر بلکہ ابدی بھی ہے۔ نیز اس کا میدان صرف مذہب ہی نہیں بلکہ دیگر سماجی و معاشرتی مسائل اور سائنسی علوم بھی ہی' یعنی قیاس ایک ایسا کثیر الجہت کلیہ ہے جس کا استعمال تمام علوم و فنون میں رائج ہے۔ کیونکہ عام فہم ہونے کی وجہ سے یہ انسانی فطرت کا ہم آہنگ ہے۔

مراجع و مصادر

۱۔ القرآن،سورۃ البقرہ : ۳۰

۲۔ رازی،فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر،تفسیر کبیر،مکتبہ مصر،۲ : ۱۷۵

۳۔ ابن منظور،لسان العرب،مکتبہ مصر،بذیل مادہ

۴۔ صدر الشریعۃ ابو عبداللہ محمد بن سعود،مکتبہ التلویح،مکتبہ مصر،۲ : ۲۲۶

۵۔ القرآن،سورۃ البقرہ : ۳۴

۷۔ ابن قیم محمد بن ابی بکر،اعلام الموقعین،مکتبہ اشرف المطابع کراچی،۱ : ۹۲

۸۔ القرآن،سورۃ یٰسین : ۷۹

۹۔ قرطبی،ابو عبداللہ محمد بن احمد،الجامع الاحکام القرآن،مکتبہ قاہرہ مصر،۱ : بذیل آیت

۱۰۔ جصاص ابو بکر احمد بن علی،احکام القرآن،بیروت،۲ : ۳۷۶

۱۱۔ اعلام الموقعین،۱ : ۴۸

۱۲۔ القرآن،سورۃ البقرہ : ۲۷۵

۱۳۔ بخاری محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،کتاب الاعتصام

۱۴۔ ایضاً،۱ : ۲۵۵

۱۵۔ احکام القرآن،۱ : ۱۴۵

۱۶۔ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن،سنن دارمی،دار احیاء السنن العربی،۳۵۲

۱۷۔ اعلام الموقعین،۱ : ۱۴۸

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ غزالی،محمد بن احمد،المستصفیٰ،مکتبہ تجاریہ مصر،۱ : ۱۵۹

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ بخاری کتاب صفات الٰہی

۲۲۔ ابن سعد،ابو عبداللہ محمد بن سعد،الطبقات الکبریٰ،نفیس اکیڈمی کراچی ۱۳۷۷،۶ : ۵

۲۳۔ خطیب بغدادی،ابو بکر احمد بن علی،تاریخ بغداد،مکتبہ قاہرہ ۱۹۳۱،۱۳ : ۳۴۴

۲۴۔ حسن خطیب،فقہ اسلام،نفیس اکیڈمی لاہور،۲۴۳

۲۵۔ طبرسی،ابو منصور احمد بن علی،احتجاج،مکتبہ مصطفوی قم ایران،۲ : ۱۱۷

۲۶۔ حلیۃ الابرار،۲ : ۱۵۲

۲۷۔ اعلام الموقعین، : ۱۳

۲۸۔ طوسی،ابو جعفر محمد بن علی،تہذیب الاحکام،دار الاسلامیہ،تہران،ایران،۱۰ : ۲۷۱

۲۹۔ کلینی 'ابو جعفر محمد بن یعقوب 'الکافی' دار الکتب الاسلامیہ تہران' ۷: ۳۶۹
۳۰۔ علامہ سید محسن الدین 'اعیان الشیعہ' دمشق' ۱: ۷۹ ۳
۳۱۔ شیخ محمد رضا مظفر 'اصول فقہ' دار النعمان نجف عراق' ۱۸۶
۳۲۔ ابن خلدون 'ابو زید ولی الدین عبد الرحمٰن بن خلدون' مقدمہ ابن خلدون 'مصر۔
۳۳۔ محمد رسول اللہ 'شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' پنجاب لاہور' ۸۴
۳۴۔ رحمانی' مولانا خالد سیف اللہ' جدید مسائل' مکتبہ مدنیہ' لاہور۔ ۲۲۹
۳۵۔ ایضاً
۳۶۔ تقی عثمانی' فقہی مقالات' میمن اسلامک بک پبلیشرز' لیاقت آباد' کراچی' ۲۷